

# سُنَّت

## صد اسلام میں اس کا تصور اور ارتقاء

ڈاکٹر احمد حسنی \* ترجمہ: شاہ محی الحق فاروقی

غیر محتاط اور آزادانہ استعمال میں سنت اور حدیث کی اصطلاحوں کے معنی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ عام طور پر دونوں کا ایک ہی مفہوم سمجھا جاتا ہے۔ جسے ہم ”احادیثِ رسول“ کا نام دیتے ہیں۔ لیکن ان اصطلاحات کے تحقیقی مطالعہ سے یہ واضح ہو جائے گا کہ ابتدائی ارتقائی منازل میں یہ دونوں اصطلاحات ہم معنی نہیں تھیں۔ سنت کے ابتدائی اور بنیادی معنی راستہ، پگھلنڈی، رویہ، طریقہ، سلوک، رواج، دستور، عادت، طرزِ عمل اور روشِ زندگی ہیں۔ اس اصطلاح کا اطلاق معیاری طرزِ عمل اور مثالی رواج اور دستور پر ہوتا ہے خواہ وہ ایک فرد کا ہو یا فرقہ اور جماعت کا۔ پسندیدہ ہو یا ناپسندیدہ۔ اللہ تعالیٰ کا وہ طرزِ عمل جو ائم ماضیہ کے ساتھ رہا قرآن مجید میں سنت اللہ کے نام سے مذکور ہے اور اقوام سابقہ کی سنت سے مراد ان اقوام کی عادات اور ان کے طرزِ عمل اور ان کا زندگی گزارنے کا طریقہ ہے۔ قرآن مجید کی متعدد آیات میں لفظ سنت کا استعمال عادت، رواج اور طرزِ عمل کے معنوں میں ملتا ہے۔ لکھ

مسلمانوں کے لئے ”سنت“ کا لفظ کوئی نیا لفظ نہ تھا کیونکہ اسلام سے قبل بھی عرب کے جاہل ادب میں یہ لفظ عام طور پر مستعمل تھا۔ عرب اس لفظ کو اپنے سابقہ رواج و رسوم اور اپنے آباد و اجداد کے مثالی طرزِ عمل کے لئے استعمال کرتے تھے اور اس سے مراد اپنا سماجی قانون یا رسم و رواج لیتے تھے۔ چونکہ وہ ان رسوم و رواج کو مثالی اور معیاری سمجھتے تھے لہذا بڑی شدت سے ان کی پابندی کرتے تھے۔ لبید بن ربیعہ اپنے مشہور معلقہ میں کہتا ہے:-

من معشر سنت لہم آباؤہم      دلکل قوم سنتہ و اما مہم

یعنی۔ اس کا تعلق اس قبیلہ سے ہے جن کے اسلاف نے ان کے لئے ایک مثالی طرزِ عمل کی طرح

ڈال دی۔ ہر قوم کا ایک طرزِ عمل (طریقہ کار) اور اس کا اپنا رہنما ہوا کرتا ہے۔ شہ

قدیم رواج کو توڑنا اور مروجہ رسوم و عادات کو مسلسل قائم نہ رکھنا عربوں میں ناپسندیدہ عمل مانا جاتا تھا۔ سنت اور قدیم طور و طریق کی پابندی نہ کرنے کو وہ بدعت (INNOVATION) خیال کرتے تھے۔ چنانچہ بدعت کا لفظ سنت کے بالمقابل بولا جاتا تھا۔ عربی کے ابتدائی اسلامی ادب میں اس کی واضح شہادت موجود ہے۔

سنت کا لفظ خواہ اجتماعی طرزِ عمل کے لئے استعمال ہو یا انفرادی روش کے لئے اس میں ایک معیاری اور مثالی عنصر یا جاتا ہے اور اس کے معنی میں یہی مفہوم وہ امتیازی حیثیت رکھتا ہے جو اس لفظ کے دیگر مترادف الفاظ سے اسے ممتاز کرتا ہے۔ اس بیان کو مزید واضح کرنے کے لئے ہم چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔ امام ابو یوسفؒ عباسی خلیفہ کو ان سنتوں کے احیاء کی ہدایت کرتے ہیں جو خلفاء راشدین نے قائم کی تھیں کیونکہ امام ابو یوسف کے قول کے مطابق سنتوں کا احیاء ایک لازوال نیکی ہے۔ ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔ بصرہ اور خراسان کی متوجہ زمینوں کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ یہ زمینیں عراق کی دوسری زمینوں کی طرح ہیں اس لئے ان پر انہیں اصولوں کا اطلاق ہونا چاہیے جو سوادِ عراق کے معاملہ میں طے ہو چکے ہیں۔ پھر وہ لکھتے ہیں ”لیکن چونکہ ان (بصرہ اور خراسان کے) علاقوں پر پہلے سے ایک مخصوص سنت (قانون) جاری ہے اور یکے بعد دیگرے آنے والے خلفاء نے بھی اس سنت کو بحال رکھا ہے لہذا ان علاقوں کو سابقہ حالت پر چھوڑ دیا جائے اور مروجہ دستور کو نافذ نہ دیا جائے۔ ان دونوں مثالوں میں لفظ سنت معیاری دستور و رواج کے لئے استعمال ہوا ہے۔

یہاں تک کہ ہم نے سنت کے لغوی مفہوم سے بحث کی ہے لیکن جب یہ اصطلاح اسلامی اصول و قوانین میں استعمال ہو تو اس سے مراد وہ معیاری طرزِ عمل اور مثالی طریق کار ہوتا ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور نمونہ مقرر کیا ہو اور جو آپؐ کی زندگی میں بلا شرکتِ غیر آپ کے طرزِ عمل کے ساتھ مخصوص تھا۔ بعد کی نسلیں میں یہ لفظ ابتدائی دور کے مسلمانوں کے اس تعامل کے لئے بولا جانے لگا جو سنت رسول اللہ کی ترجمانی کرتا تھا۔ یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ امام شافعیؒ کے دور کے بعد علماء حدیث کی اصطلاح میں حدیث و سنت بلا تفریق ایک ہی مفہوم کو بیان کرنے کے لئے استعمال ہونے لگے لیکن یہ درست نہیں کیونکہ حدیث اور سنت جداگانہ معانی پر مشتمل دو مختلف اصطلاحیں ہیں۔ حدیث تو رسول اللہ کے کسی ارشادِ عمل یا سلوک کے بیان یا روایت کا نام ہے جب کہ سنت وہ قانون ہے جو اس روایت سے

مستنبط ہوا ہو۔ بالفاظ دیگر حدیث گویا سنت کی ماخذ اور اس کی حامل ہے۔ سنت حدیث میں شامل ہے اسی لئے بجا طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ نفل حدیث پانچ سنتوں پر مشتمل ہے یا حضرت بریرہ کے واقعہ میں تین سنتیں ہیں۔ مزید برآں یہ بھی ضروری نہیں کہ سنت کا استنباط یا علم ہمیشہ حدیث یعنی روایت سے ہو۔ صدر اسلام کے فقہی ادب سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سنت کی اصطلاح مسلمانوں میں مروجہ اس طریق کار (عامل) کے لئے استعمال ہوتی تھی جس کے متعلق یہ دعویٰ کیا جاتا تھا کہ وہ مسلسل رسول اللہ کے وقت سے چلا آ رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سنت کبھی تو حدیث سے مختلف ہوتی ہے اور کبھی حدیث اس کی تائید کرتی ہے۔ ذیل کا مقولہ ان دونوں اصطلاحوں کے درمیان فرق پر روشنی ڈالتا ہے۔ روایت ہے کہ عبدالرحمن بن مہدی (متوفی ۱۹۸ھ) نے کہا: سفیان ثوری حدیث کے امام ہیں سنت کے امام نہیں جب کہ اوزاعی حدیث کے امام ہیں حدیث کے نہیں لیکن مالک دو فلوں کے امام ہیں۔ ابویوسف کو بھی ان کے سوانح نگاروں نے صاحب حدیث اور صاحب سنت کہا ہے: اسی طرح ابویوسف اس حدیث کی پیروی پر زور دیتے ہیں جو قرآن و سنت کے مطابق ہو۔ یہ تمام مثالیں واضح طور پر حدیث اور سنت کے معنی ظاہر کرتی ہیں۔ الغرض سنت اور حدیث کے ابتدائی معنوں میں فرق یہ ہے کہ سنت کے دائرہ میں معروف روایات، تعامل امت اور مسلمانوں کے مسئلہ راج شامل تھے اس کے برعکس حدیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نافذ کئے ہوئے مقررہ اور حتمی قوانین کے صرف ایک بیان کی حیثیت رکھتی تھی لیکن امام شافعی نے سنت کے مروجہ معنی کی شدت سے مخالفت کی اور اس بات پر زور دیا کہ سنت کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مستند احادیث سے اخذ کیا جائے انھوں نے مسلمانوں کے مسئلہ اور متفق علیہ راج (عامل) پر حضور کی صحیح حدیث کو ترجیح دی اس وقت سے سنت اور حدیث کی اصطلاحیں ایک ہی مفہوم میں استعمال ہونے لگیں۔

ابتدائی دور کے فقہی ادب سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حدیث کا لفظ صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال ہی کے لئے استعمال نہیں ہوتا تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ امام شافعی سے پہلے یہ لفظ صحابہ اور تابعین کے آثار کے لئے بھی استعمال ہوتا تھا۔ سوار اور گھوڑے کے درمیان مال غنیمت کے بٹوارے کے مسئلہ میں شام کے گورنر کے فیصلہ کو جسے خلیفہ ثانی حضرت عمر نے منظور فرمایا تھا ابویوسف حدیث کہتے ہیں اور امام ابوحنیفہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متفقہ حدیث پر ترجیح دیتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کو محض نبی اکرم کے اقوال و افعال کے لئے اس وقت مختص کیا گیا جب سنت اور حدیث کے درمیان فرق کو مٹا دیا گیا۔

آئیے اب ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے تصور پر گفتگو کریں۔ مغربی مصنفین نے یہ ثابت کی کوشش کی ہے کہ اسلام میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت دراصل عرب قبل از اسلام کی اس سنت کا دوسرا نام تھا جس میں قرآن پاک نے کچھ ترمیم کر دی تھی مزید برآں ان میں سے بعض کے خیال کے مطابق "سنت نبوی" کا تصور بعد کی پیداوار ہے کیونکہ ابتدائی دور کے مسلمانوں کے نزدیک سنت کا مطلب صرف مسلمانوں کا اپنا رواج اور تعامل تھا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اسلام میں "سنت نبوی" کا تصور بعثت نبوی کے ساتھ آیا۔ قرآن حکیم بار بار مسلمانوں پر اطاعت رسول کو فرض قرار دیتا ہے اور آپ کے طریقہ عمل کو مثالی قرار دیتا ہے۔ لہذا ابتداء ہی سے مسلمانوں نے قرآن پاک کی تعلیمات کی بنا پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو اپنے لئے نمونہ قرار دیا۔ وہ سنت کو کوئی ایسا راج اور طرز عمل نہیں سمجھتے تھے جو اسلام سے پہلے ہی عرب قبیلوں میں رائج رہا ہو۔ قرآن پاک نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مثالی طرز عمل کے لئے "اسوۃ" کا لفظ استعمال کیا ہے لہذا تصور کے لحاظ سے اس کا عرب قبیلوں کی سنت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس میں شک نہیں کہ دور جاہلیت کے بہت سے طریقے اسلامی عہد میں باقی رہ گئے ان میں سے بعض میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جزئی ترمیم فرمائی، اور بعض کو آپ نے کلی طور پر نئے طریقوں سے تبدیل کر دیا۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مجموعی لحاظ سے ان تمام طریقوں کو نبی اکرم کی منظوری حاصل تھی لہذا ان کی صرف جاہلی دور کے مروج طریقوں والی حیثیت ختم ہو گئی۔

مزید برآں اگرچہ معاشرہ کے افعال قرآن کے تابع تھے تاہم یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات پاک تھی جس نے قرآنی احکام کو ایک مخصوص شکل میں عملی وجود بخشا۔ پس جس طریقہ سے آپ نے قرآن پر عمل کیا وہ معاشرہ کا قانون بن گیا لہذا یہ سمجھنا درست نہ ہو گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے رسول اللہ کے فعل کو جن کے ذریعہ انھیں قرآن پاک ملا تھا نظر انداز کر دیا پھر قرآن اور سنت جو نبی اکرم اس قدر مربوط ہیں کہ انھیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ ہم ان دونوں کو ایک "نا قابل تقسیم وحدت" (INTEGRAL WHOLE) کہہ سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت صرف یہ نہیں تھی کہ وہ کسی جامد ذریعہ یا گراموفون کے ریکارڈ کی طرح بعض پیغام الہی کو پہنچادیں لہذا منطقی اعتبار سے "سنت رسول" کا تصور ابتدائے اسلام ہی سے رہا ہو گا۔

مشرقیوں کے نزدیک اس تصور کے مترادف کرنے کا ایک سبب ابتدائی دور کے اسلامی ادب میں

”سنتِ رسول“ کی اصطلاح کا بہت کم استعمال ہے۔ پروفیسر شیخ کو ابن ہشام (متوفی ۲۱۸ھ) کی سیرۃ النبی میں یہ اصطلاح صرف ایک جگہ نظر آئی۔ اس کے متعلق بھی وہ کہتے ہیں کہ یہ اصطلاح اس مقام پر ایک مختلف مفہوم میں استعمال ہوئی ہے۔<sup>۱۶</sup> لیکن یہ عجیب بات ہے کہ پروفیسر شیخ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ کا ذکر نہیں کرتے۔ اس خطبہ میں واضح طور پر ابن ہشام نے ”کتاب اللہ اور سنتِ رسول“ کا ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ ہم یہ بھی پڑھتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے کچھ صحابہ کو مختلف مقامات پر لوگوں کو دین اور سنتِ رسول کی تعلیم کے لئے بھیجا تھا۔<sup>۱۷</sup> عبدالملک بن مروان (متوفی ۸۶ھ) کے نام حسن بصریؒ (متوفی ۱۱۰ھ) کے مکتوب میں ”سنتِ رسول“ کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔<sup>۱۸</sup> یہ اصطلاح امام شافعیؒ سے پہلے ابتدائی دور کے فقہی ادب میں بھی استعمال ہوئی ہے۔<sup>۱۹</sup> لیکن اس وقت اس اصطلاح کے استعمال کا لازمی مطلب یہ نہیں ہے کہ اس اصطلاح کا موجودہ مفہوم بھی اس وقت موجود تھا۔ ہم اپنے استدلال کی بنیاد اس بات پر رکھتے ہیں کہ نزولِ وحی کی ابتدا ہی سے مسلمانوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل کو اپنے لئے نمونہ اور مثال بنایا تھا۔ یہ بات اس دعوے کے ثبوت کے لئے کافی ہے کہ سنتِ نبوی کا تصور بعثت کے ساتھ ہی وجود میں آیا۔

پروفیسر شیخ نے یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ شروع میں ”سنت“ کی اصطلاح اپنے اسلامی سیاق و سباق میں فقہی سے زیادہ سیاسی مفہوم میں متعلق تھی۔ اور اس کا اطلاق خلفاء کے انصرام مملکت اور حکمتِ عملی سے ہوتا تھا۔ وہ اس کا آغاز ابو بکرؓ اور عمرؓ کی سنت سے کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ سنتِ رسول کا تصور ان واقعات سے پیدا ہوا جو خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ کی شہادت پر منتج ہوئے جنہیں اس الزام کی بنا پر شہید کیا گیا کہ وہ اپنے پیش روؤں کے طرزِ عمل (سنت) سے سبک کئے تھے۔ پروفیسر شیخ کے بیان کے مطابق ”سنتِ رسول“ کی اصطلاح سب سے پہلے خاسر جی رضی اللہ عنہما کے نام سے منسوب ہے۔ ان کا خیال ہے کہ مذہبی مفہوم میں بھی یہ اصطلاح سب سے پہلے انھیں خلیفہ کے نام حسن بصریؒ کے مکتوب میں استعمال ہوئی تھی۔ ان کے یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اسلامی قانون میں اس اصطلاح کا ابتدائی استعمال پہلے صدی ہجری کے اواخر میں ہوا۔ ان کے یہ بھی سمجھتے ہیں کہ شیخ نے اپنے دعوے کی بنیاد حنظلہؓ و نخعیؓ پر رکھتی ہے۔ ان کے یہ بھی سمجھتے ہیں کہ شیخ نے ”کتاب اللہ اور سنتِ رسول“ کے مفہوم کو اس کے اصل مفہوم سے الگ کر دیا ہے۔

مثبت شہادت درکار ہے کہ اس اصطلاح کا مفہوم سیاسی تھا اور اس کا تعلق شہادت حضرت عثمانؓ سے تھا۔ قرآن پاک عام طور پر مسلمانوں کو زندگی کے ہر میدان میں رسول اللہؐ کے عمل کی تقلید کا حکم دیتا ہے۔ مؤطا مالکؒ کی ایک روایت کے مطابق حضرت ابو بکرؓ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہوں نے یہ اصطلاح قانونی مفہوم میں استعمال کی تھی۔ اس روایت کو مشکوک سمجھنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ مزید برآں یہ بات عقلاً مستبعد ہے کہ مسلمانوں نے پوری ایک صدی تک اپنے قانونی معاملات میں رسول اللہؐ کے نظائر کو نظر انداز کر دیا ہو۔

جہاں تک سنت کے ابتدائی نشوونما کا تعلق ہے یہ بات قابل ذکر ہے کہ سنت کے مفہوم میں ابتداء اسلام سے امام شافعیؒ کے زمانہ تک ارتقاء پایا جاتا ہے۔ ابتدائی دور کی تصنیفات یہ ظاہر کرتی ہیں کہ قدیم فقہی مدارس کے نزدیک سنت اُمت کے اس عمل کا نام تھا جس کو رسول اللہؐ کی مشہور و معروف احادیث، آپؐ کے عمل یا آپؐ کے صحابہؓ اور تابعین کی روایات و عمل کی تائید حاصل ہو۔ اس کے برعکس امام شافعیؒ ہر مستند حدیث کو اگرچہ وہ آحاد ہی کیوں نہ ہو رسولؐ کی سنت تسلیم کرتے تھے خواہ اس پر اُمت کا عمل رہا ہو یا نہ رہا ہو لہذا قدیم فقہی مدارس اور امام شافعیؒ کے مابین اختلاف کا مرکز ایسی آحاد احادیث تھیں جن پر اُمت کا عمل نہیں تھا۔ اسی سے پروفیسر شخت نے یہ نتیجہ نکالا کہ (۱) ابتداء میں سنت اُمت کے عمل کا نام تھا، سنت رسولؐ کے لئے سنت کا لفظ بعد میں استعمال ہوا اور (۲) یہ کہ جب بعد میں سنت کا لفظ سنت رسولؐ کے لئے استعمال ہونے لگا تو بے شمار احادیث وضع کی گئیں یہاں تک کہ اب شاید ہی کوئی ایسی حدیث ہو جسے صحیح کہا جاسکے یعنی اس کا تعلق براہ راست نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قائم کیا جاسکے۔ یہ دعویٰ پورے مجموعہ حدیث کو خواہ وہ صحیح ہو یا نہ ہو رد کرنے پر منتج ہوتا ہوتا ہے۔ ہمارے خیال میں رسول اللہؐ کی وفات کے بعد حدیث پر عمل اور اس کے نشر و اشاعت کا کام ساتھ ہی ساتھ ہوا۔ صدر اسلام میں تعامل کو معیار سمجھا جاتا رہا۔ اس وقت مسلمانوں کا طرز عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے عین مطابق تھا۔ اس لئے اس وقت کے تعامل کو کسی قانونی سند کی تائید کی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ آپؐ کے عمل سے مشابہ ہونے کی وجہ سے یہ تعامل اُمت خود اپنی جگہ معیار اور سند تھا۔ لیکن مرد و ایام کے ساتھ مثالی سنت سے جب اس تعامل کی موافقت کم ہوتی گئی تو اس کی صحت کو جانچنے کے لئے حدیث کی تائید کی ضرورت پڑی۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم فقہی مدارس نے

تعامل امت پر امام شافعیؒ سے زیادہ زور دیا خود امام شافعیؒ سے پہلے کے فقہاء کے یہاں یہ بات ملتی ہے کہ ان میں جنہی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے جتنا زیادہ قریب تھا اتنا ہی زیادہ وہ تعامل پر زور دیتا تھا۔ اگرچہ بعد کے فقہاء کبھی کبھار عمل کا ذکر کر دیتے ہیں لیکن وہ بیشتر اس عمل کی تائید میں حدیث پیش کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ، امام اوزاعیؒ اور امام مالکؒ کے مقابلہ میں حدیث پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ حدیث کے معاملہ میں غیر محتاط وہ بھی نہیں جو عمل پر زور دیتے ہیں۔ لہذا ہم بڑے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ حدیث و سنت ایک دوسرے کے متوازی ہیں۔ آئندہ صفحات میں ہم ارتقاء سنت کے مختلف مراحل پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔

عہد نبویؐ میں آپؐ کے طرز عمل یا آپؐ کی منشاء کے موافق عمل کا نام سنت کی پیروی تھا۔ صحابہ کرامؓ اپنی زندگیوں کو قرآن کے مطابق اس طرح ڈھالتے تھے جس طرح اس کی تشریح و تمثیل رسول اللہؐ کے اسوہ سے ہوتی تھی۔ اپنے اعمال کی صحت کی تائید کے لئے انھیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کے نمونہ کے علاوہ اور کسی علیحدہ قانون کی ضرورت نہ تھی۔ آپؐ کے وصال کے بعد صحابہ کرامؓ کے پاس قرآن مجید تھا، اسوہ رسولؐ تھا اور پھر ان کے وہ اپنے اعمال تھے جو وہ رسول اللہؐ کے زمانہ میں کیا کرتے تھے۔ صحابہؓ عرب کے باہر مختلف شہروں میں آباد ہو گئے ان کی حیثیت صرف سنت رسولؐ کے خبر رساں نہ تھی بلکہ وہ اس سنت کے شارح و مفسر بھی تھے۔ اس چیز نے سنت کے دائرہ کو وسیع کر دیا۔ اسوہ نبویؐ اور سیرۃ نبویؐ کے نمائندے کی حیثیت سے صحابہؓ کے اعمال و آراء آنے والی نسلوں کے لئے نمونہ اور حجت بن گئیں۔ ہمیں یہ روایت ملتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک بار اپنے ایک گورنر کو سوڈوں کی سزا دی تو حضرت عمرو بن العاصؓ ان کے پاس آئے اور کہا ”اگر آپؐ اپنے گورنروں کے لئے ایسی سزائیں تجویز کریں گے تو یہ ان کے ساتھ بڑی زیادتی ہوگی اور بعد میں یہ سنت بن جائے گی۔“<sup>۱۵</sup> اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ کے افعال کو بھی سنت سمجھا جاتا تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو طریقہ شروع ہوا کہ ہمیشہ وہ طریقہ خلفائے راشدینؓ کے عہد تک جاری رہا۔ انھوں نے مسلسل روایات کو محفوظ رکھنے اور حشو و زوائد کے طوفان کو روکنے کی کوشش کی۔ صحابہؓ کے عہد میں لوگوں نے ان سے مختلف مسائل میں آپؐ کے طرز عمل کے متعلق ضرور دریافت کیا ہوگا۔ آپؐ کے طرز عمل کے متعلق کسی صحابی کا یہ انفرادی بیان حدیث کہلایا۔ اس لئے منطقی طور پر اس

دور میں حدیث تعامل اُمت اور اس عام دستور کے موافق ہوتی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے چلا آ رہا تھا۔ آپ کی سنت معلوم کرنے کے لئے لوگوں کے پاس دو ذرائع تھے یعنی (۱) وہ تعامل اُمت جو اس وقت تک غیر مخلوط اور متواتر تھا اور (۲) روایت۔ لیکن اس بات کا خطرہ تھا کہ کچھ ایسی روایات بھی سامنے آجائیں جو متفقہ عمل سے مطابقت نہ رکھتی ہوں لہذا خلفائے راشدین نے ایسی امتناعی کارروائیاں کیں کہ کم از کم قانونی معاملات میں آپ کا طرز عمل (سنت) اپنی اصلی صورت میں برقرار ہے۔ اگر کوئی صحابی ایسی خبر دیتے جو متفقہ عمل کے مطابق نہ ہوتی تو اس کی تحقیق بڑی شدت سے کی جاتی۔ اس قسم کی مثالیں بے شمار ہیں جو ظاہر کرتی ہیں کہ ابتدائی دور کے خلفاء کسی خبر آحاد کو قبول کرنے میں بڑے محتاط تھے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق روایت ہے کہ انھوں نے ایک حدیث کی تصدیق ایک دوسرے صحابی سے کروائی۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس معاملہ میں اپنے پیش رو سے بھی زیادہ محتاط تھے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اخبار آحاد و افراد کی شہادتوں پر قبول کرتے تھے۔ اسی طرح جو تھے خلیفہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ خبر الواحد کو اسی وقت قبول کرتے تھے جب اس کی تصدیق بذریعہ حلف کی جاتی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ بار بار انھوں نے حج یا دوسرے اجتماعات کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل کو صحابہ سے دریافت کیا۔ کسی معاملہ میں اگر انھیں خبر آحاد ملتی تو وہ سرکاری اعلان کے ذریعہ لوگوں کو بتاتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت وہ نہیں جو لوگوں کے درمیان رائج ہے بلکہ اس طرح ہے۔ اس طریقہ نے سنت کو خارجی عناصر کی آمیزش سے محفوظ رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں خلفائے راشدین کے زمانہ میں وہ افرا تفری نہیں ملتی جو بعد کے عہد میں نظر آتی ہے جبکہ احادیث کی اشاعت بڑی آزادی کے ساتھ کی جانے لگی۔ اس میں شک نہیں کہ شروع میں بھی اختلافات ہوئے کیوں کہ شخصی رائے ختم نہیں کی جاسکتی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ تافون کے معاملہ میں اختلاف رائے ختم کرنے کے لئے حدیث نبوی پر نذر دیا جانے لگا لیکن اس سے اختلافات ختم نہیں ہوئے کیونکہ خود حدیث میں اختلافات نظر آنے لگے۔ بہر حال اسلام کے ابتدائی عہد میں معاشرہ کا نظم قرآن مجید اور اس تعامل اُمت پر تھا جو آپ کے زمانہ سے چلا آ رہا تھا۔ سنت کا یہ دور اپنے تواتر اور نسبتاً زیادہ غیر مخلوط ہونے کے لئے ممتاز ہے۔ تعامل اُمت کی صحت کی بنا پر سنت کی صحت کے لئے حدیث یا روایت سے تائید کی ضرورت نہیں تھی۔ اس لئے خلفاء راشدین کے دور تک ہمیں روایات کی بھرمار نہیں ملتی۔



خلفائے راشدین کے بعد ریاضی معاملات کی نوعیت ایک نیا نیا اور متواتر روایت سے علیحدہ ہوتی گئی خود معاشرہ میں بھی مسلمانوں کے درمیان بعتیں اُجھرنے لگیں۔ ہر فرد اپنے عقیدہ کو اسلامی تعلیمات کا ایک تم کو تسلیم کرتا اور اسے کسی سند سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے لگا۔ اس وقت تک وہ پابندی بھی ختم ہو چکی تھی جو حدیث کی آزادانہ اشاعت پر رکھی ہوئی تھی۔ نتیجتاً لوگوں نے کثرت سے حدیث کی روایت شروع کر دی اور روایت حدیث کی تحریک تیزی کے ساتھ بڑھتی گئی۔ اسلام میں بدعت اور فتنہ نے اپنے سر اٹھایا۔ مسلمانوں نے مختلف نئے بنو امیہ کو بالعموم مثالی راج اور تعامل امت کو غیر مفلوط رکھنے یا اس کے تواتر کو قائم رکھنے سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ سارا قانونی نظام ایک ذاتی معاملہ بن گیا اور مفتیوں نے اپنی ذاتی حیثیت سے اپنے کام کو جاری رکھا۔ امویوں کے مقرر کیے ہوئے قضاة اور راکان عدلیہ کم و بیش انہیں کی کوئی بات میں کام کرتے تھے لہذا اس بات کی کوئی ضمانت نہ تھی کہ ان کے فیصلے معدوم یعنی واقعی پر مبنی نہ ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ خلفائے راشدین کے بعد تعامل اپنی مثالی صورت میں باقی نہ رہ سکا اور اب لوگوں نے حدیث کو ایسی حیثیت دے دی اور سنت کو حدیث سے ثابت کرنے لگے۔ ان حالات میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ابو بکر بن عمرو بن حزم کو حدیث اور سنت رسولی اور غائبہ ثانی حضرت عمر کی سنت جمع کرنے کا حکم دیا۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا مسلمانوں کے تعامل کو جب تک وہ کسی حدیث سے ثابت نہ ہو سنت رسولی سمجھنے کا رجحان ختم ہوتا گیا اس میں منظر میں یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے کہ حدیث میں اسناد کو اہمیت اس وقت حاصل ہوئی جب تعامل پر سے اعتماد اٹھ گیا اور معاشرہ اخلاقی طور پر اس خطا پذیر ہو گیا۔ اگرچہ حدیث کی آزادانہ روایت کثیر تعداد میں احادیث وضع کرنے پر منتج ہونی لیکم یہ واضحین قانونی دائرہ میں پوری طرح کامیاب نہ ہو سکے کیونکہ قانونی فیصلوں کا ایک کثیر حصہ تعامل بن چکا تھا اور لوگوں میں عام طور سے معروف تھا۔ جہاں کہیں اختلافات پیدا بھی ہوئے وہ زیادہ تر لوگوں میں پھیلی ہوئی باہم متضادم احادیث کی بنا پر تھے۔ یہ اختلافات اتنے بنیادی اور اہم نہ تھے کہ اساتذہ پر اثر انداز ہو سکتے۔ قانونی دائرہ کے محفوظ رہنے کا ثبوت اس حقیقت سے بھی مل سکتا ہے کہ اگرچہ قانونی معاملات میں شیعوں کا اپنا مجموعہ احادیث ہے لیکن وہ بہت کم نکات پر اپنی سنت سے اختلاف کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ قانون کی بنیاد جمہور میں رہتی ہوئے اسے قانونی وصایا سے زیادہ عملی اور متواتر راج

صحابہ کرامؓ اپنے فطری اور زور زمرہ کے انداز میں معاشرتی، مذہبی اور سیاسی معاملات میں حصہ لیتے رہے۔ ان کی واحد ممتاز خصوصیت یہ تھی کہ ان کے عمل کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا نمونہ سمجھ کر لوگ اس کی اتباع کرتے تھے۔ لہذا ان کی زندگی کے عملی پہلو کا دور رس اثر تابعین کی دوسری نسل پر پڑا، یہی وجہ ہے کہ بعض معاملات میں جب انہوں (صحابہؓ) نے خود اجتہاد کیا تو لوگوں نے اسے مستند مان لیا اور وہی امت کا اجماع بن گیا۔ درحقیقت یہ صحابہ کی سنت (سنت الصحابہ) تھی۔ اُمت نے صحابہ کے اجتہاد کو سنت کیوں مانا اس کی وجہ بڑی واضح ہے۔ لوگوں کو یہ بات بخوبی معلوم تھی کہ اسلام کے سچے پیرو ہونے کی وجہ سے تمام صحابہ بالعموم اور خلفاء اربعہ بالخصوص سنتِ رسولؐ سے روگردانی نہیں کر سکتے تھے۔ ایسے معاملات کی ایک طویل فہرست موجود ہے جن میں صحابہ نے اور بالخصوص حضرت عمر بن خطابؓ نے اپنی رائے قائم کی اور ترقی پذیر انسانی معاشرہ میں یہ بات بڑی فطری تھی لہذا صحابہ کے اجتہاد کے ساتھ ذاتی رائے کا عنصر بھی سنت میں داخل ہو گیا لیکن یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے مستند راجح کے مقابلہ میں جو بات نئی معلوم ہوئی اسے صحابہ بدعت سمجھتے تھے۔ نماز تراویحؓ کے معاملہ میں حضرت عمرؓ کا مشہور فقرہ فیصلہ کن ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صحابہ کرامؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل سنت اور اس سے مستخرج ہونے والی سنت کے باہر ایک فرق کے معاملہ میں بڑے محتاط تھے۔ نماز تراویح کی تمام نہاد بدعت جو رمضان میں جماعت سے ادا کی جاتی تھی آخر کار سنت میں داخل ہو گئی اور تمام عالم اسلام میں آج تک اس پر عمل کیا جاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اکثر معاملات میں صحابہ کی سنت ان کی اپنی آراء پر مبنی تھی، لیکن یہ بھی ابتدائی دور میں سنت کی اصطلاح میں جذب ہو گئی تھی۔ اس بات سے دوسری صدی ہجری کے فقہاء کے مابین یہ اختلاف نمودار ہوا کہ حدیثِ آحاد کو سنت سمجھنا چاہیے یا اسوۂ صحابہ کو۔ یہی وجہ ہے کہ بعض معاملات میں، جیسا کہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ ابتدائی فقہی مدارس اسوۂ صحابہ کو حدیثِ آحاد پر ترجیح دیتے تھے۔ دراصل یہ سنت نبویؐ کے دو ماخذوں کے درمیان موازنہ تھا، یہ دو ماخذ تعامل اور روایت تھے۔

ایسی صورتوں کے تمام زمرہ سنت کی نشوونما کے لئے ایک نئے ذوق کا آغاز کیا۔ اس دور میں سنت کا دائرہ اور وسیع ہو گیا۔ اس میں ہر علاقہ کے منصفین کے ایسے اجتہاد کے اجماع شامل ہو گئے ہیں جنہاں دو کے فقہاء کی بہت سی تحریروں میں سنت کے اس نئے مفہوم کی جب تک نظر آتی ہے۔



۶۔ حسان بن ثابتؓ کہتے ہیں۔

۱۔ ان الذرائع من نهر واخوتهم قد بينوا سنة للناس تتبع

۲۔ سيجية تلك منهم غير محدثة ان الخلائق فاعلم شسها البديع

ملاحظہ ہو دیوان حسان بن ثابت (تحقیق عبدالرحمن البرلوبقی) قاہرہ ۱۹۲۶ء ص ۲۳۶۔

۷۔ ابو یوسف، کتاب الخراج، قاہرہ ۱۳۰۲ھ ص ۳ و احیاء السنن، السنن سنینا القوم العاقلون اعظم

موقعا۔ فان احیاء السنن من الخیر الذی یجیاً ولا یجوت۔

۸۔ ایضاً ص ۳۳۔ (۹)۔ ابو داؤد، سنن، کان پور ۱۹۲۸ء جلد دوم ص ۱۰۵۔

قال ابو داؤد: سعت احمد بن حنبل یتقول: فی هذا الحدیث خمس سنن۔

۱۰۔ حضرت عائشہ کا ایک بیان یوں ہے، کان فی بریرة ثلاث سنن۔ مالک، الکتاب، قاہرہ ۱۹۵۱ء جلد دوم ص ۵۶۳۔

۱۱۔ ابو نعیم الاصبغانی، حلیۃ الادب، قاہرہ ۱۹۳۶ء، جلد ششم ص ۳۲۲۔

۱۲۔ ابو یوسف، الرد علی سیر الاذاعی، قاہرہ ۱۹۵۰ء تاریخ طباعت، درج نہیں۔ ص ۳۔ امام شیبی اور امام زہری کے متعلق

روایات ہیں کہ وہ سنت ماضیہ سے سب سے زیادہ باخبر تھے "اعلم بسنتہ ماضیۃ ابن سعد الطبقات

الکبری، بریرت، ۱۳۷۶ء جلد دوم ص ۳۶۹، جلد ششم ص ۲۵۳۔

۱۳۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام شافعی پہلے فقہ نہیں تھے جنہوں نے سنت اور حدیث میں اتنا زیاد کیا بلکہ ماضی

میں بھی کچھ ایسے لوگ تھے مثلاً صالح بن کیسان دمتونی، ۱۲۰ھ جن کی یہی رائے تھی۔ ابن سعد، الطبقات

الکبری، محولہ بالا، جلد دوم ص ۳۸۸ وما بعد۔

۱۴۔ ابو یوسف، کتاب محولہ بالا، ص ۳۔ عمر بن الخطاب کے ایک اثر کے بارے میں مالک کہتے ہیں: لیس هذا

المحدث بالمجتبى عليه وليس عليه العمل۔ ملاحظہ ہو مالک، کتاب محولہ بالا، جلد دوم ص ۲۳۹۔

عمر بن عبدالعزیز، عمر فاروقؓ کے فیصلوں کو کمرش کی حدیث کہتے ہیں۔ ملاحظہ ہو نوٹ محمد بن الحسن، دیوبند

تاریخ طباعت درج نہیں، ص ۲۹۔ امام محمدؒ مکحول (تابعی) کے اقوال کو حدیث کہتے ہیں۔ امام محمدؒ

السیر الکبیر (مع شرح السنن) حیدرآباد دکن ۱۳۲۵ھ جلد دوم ص ۲۶۹۔

۱۵۔ ستران مجید، ۲۱: ۲۳۔

۱۶۔ شخت، مبادی فقہ اسلامی۔ (THE ORIGINS OF MUHAMMADAN JURISPRUDENCE)۔

آکسفورڈ، ۱۹۵۰ء۔ ۲۳۹ (ضمیمہ) نیز ملاحظہ ہو ابن ہشام، سیرۃ النبی، قاہرہ، تاریخ طباعت درج نہیں (تحقیق، محمد محی الدین عبدالحمید) جلد ششم ص ۲۳۷۔

۱۷- ابن ہشام، کتاب محمولہ بالا، جلد چہارم ص ۲۷۶۔

۱۸- ابو یوسف، کتاب الخراج، محمولہ بالا ایڈیشن، صفحات ۸ اور ۶۶۔

۱۹- ابن المرتضیٰ، احمد بن یحییٰ، کتاب طبقات المعترز، بیروت، ۱۹۶۱ء ص ۱۹۔ وقد ادرکنا السلف الذین قاموا الامر اللہ واستنوا بسنة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نیز ملاحظہ ہو:

DER ISLAM - جلد ۲۱ - ص ۶۸۔

۲۰- مالک، کتاب محمولہ بالا، جلد دوم صفحات ۸۳۳، ۱۸۹۹ اور ۸۹۳۔ ابو یوسف، الرد علی سیر الاوزاعی،

محمولہ بالا ایڈیشن، صفحات ۵۷، ۶۷ اور ۱۲۱۔ ابو یوسف، کتاب الخراج، محمولہ بالا ایڈیشن صفحات ۸، ۳۳،

۶۶ اور ۲۱۷۔ محمد بن الحسن، الموطن، صفحات ۲۱۷ اور ۲۱۸۔

۲۱- شخت، اسلامی فقہ کا ایک تعارف (AN INTRODUCTION TO ISLAMIC LAW)

آکسفورڈ، ۱۹۶۳ء ص ۱۸-۱۷۔

۲۲- مالک، کتاب محمولہ بالا، جلد دوم، ص ۵۱۳۔

۲۳- شخت، مبادی فقہ اسلامی (THE ORIGINS OF MUHAMMADAN JURISPRUDENCE)

(PRUDENCE) - محمولہ بالا ایڈیشن، صفحات ۳، ۵، ۲۰، ۲۰، ۴۰، ۴۱، ۴۳، ۷۴، ۸۰۔

مزید ملاحظہ ہو: انیس کا مضمون بعنوان "مشرق وسطیٰ میں اصول قانون کا قبل از اسلام پس منظر اور ابتدائی نشوونما" (PRE-ISLAMIC BACKGROUND AND EARLY DEVELOPMENT)

OF JURISPRUDENCE IN LAW IN THE MIDDLE EAST)

(ترتیب مجید خدوری)، واشنگٹن، ۱۹۵۳ء، جلد اول (اصل مضمون کے متن میں یہ نمبر درج ہونے

سے رہ گیا)۔

۲۴- مزید ایس، ایم، یوسف، مضمون بعنوان "سنت - اس کی روایت، نشوونما اور نظر ثانی (انگریزی)

اسلامک کلچر، جلد ۳، شماره ۲ - اکتوبر ۱۹۶۳ء صفحات ۲۷۶ اور ۲۷۹۔

۲۵- ابو یوسف، کتاب الخراج، محمولہ بالا ایڈیشن ص ۶۶۔ اس معاملہ میں حضرت عمرؓ کے حسب ذیل ارشادات

بھی اہم ہیں۔ انکم ایھا السرھط ائمتہ یقتدی بکم الناس۔ اور۔ واللہ لو فعلتھا لكانت سنة  
ملاحظہ ہو مالک، کتاب محمولہ بالا، جلد اول صفحات ۵۰ اور ۳۲۶۔

۲۶۔ مالک، کتاب محمولہ بالا، جلد دوم ص ۵۱۳۔

۲۷۔ ابو یوسف، الرد علی سیر الاوزاعی، محمولہ بالا ایڈیشن ص ۳۰-۳۱۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حدیث

بیان کرنے پر پابندی لگادی تھی (ایضاً ص ۲) اور اس حکم کی خلاف ورزی کے سلسلہ میں تین صحابہ کو  
گرفتار کر لیا (محمد حسین ہیکل، الفاروق عمرؓ، قاہرہ، ۱۳۲۶ھ، جلد دوم ص ۲۸۸۔

۲۸۔ ابو یوسف، کتاب الخراج، محمولہ بالا ایڈیشن، ص ۱۰۶۔

۲۹۔ محمد بن الحسن، کتاب الحج (قلمی نسخہ) ص ۴۰۔ بلغنا عن عمر بن الخطاب انه كتب الى امراء

الأنفاق بينها هم عن الجميع بين الصلوتين في واحد، ويخبرهم أن الجميع كبيرة من الكبار۔

نیز ملاحظہ ہو ابو یوسف، کتاب الآثار، قاہرہ، ۱۳۵۵ھ نمبر ۸۷۲۔ ان عمر بن الخطاب کان ینادی

علی منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان بیع امہات الاولاد حرام۔ مزید ملاحظہ ہو امام شافعی،

اختلاف الحدیث، قاہرہ، ۱۳۲۵ھ ص ۱ (بر حاشیہ کتاب الام جلد ۷)۔

۳۰۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے مرتبہ میں ایک شاعر کہتا ہے ا

واحییت فی الاسلام علماء وسنة ولم تبدع حکما من الحکم اسحما (أضحجا)

نفی کل یوم کنت تھدم بدعة وتبني لنا من سنة ما تھدمها

مزید۔ الشاطبی، الاعتصام، قاہرہ، تاریخ طباعت درج نہیں، جلد اول ص ۶۱۔ حسن البصری کے متعلق

روایت ہے کہ انھوں نے کہا: ظہر الجفاء وتلت العلماء وعفت السنة وشاعت البدعة

الجاحظ، البیان التبیین، قاہرہ، ۶۱۹۴، جلد سوم، ص ۱۳۳۔ مزید امین ایم یوسف "سنت۔ الخ"

اسلامک کلچر، جلد ۳۸، شمارہ ۱، جنوری ۱۹۹۴، ۱۹، ذیلی حاشیہ۔ امام اوزاعی کا قول "حتی حاجت

الفتنة" بھی اہم ہے۔ ابو یوسف، الرد علی سیر الاوزاعی، محمولہ بالا، ص ۲۰۔

۳۱۔ محمد بن الحسن، المؤطا، محمولہ بالا، ص ۲۹۱۔ ان عمر بن عبدالعزیز کتب الی ابی بکر بن عمرو

بن حنرم ان انظر ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او سنتہ او حدیث

عمر او نحر هذا، فآلکبہ لی، فانی خفت دروس العلم وزهاب العلماء۔

۳۲۔ علی حسن عبدالقادر، نظر عامہ فی تاریخ الفقہ الاسلامی، قاہرہ ۱۹۵۶ء ص ۱۲۹۔ گولڈ سٹیپن شیبہ اور شی  
 قوانین میں سترہ نکات اختلاف بیان کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو اس کا مضمون ( - DOGME ET LA )

( LOI DE L' ISLAM ) پیرس ۱۹۵۸ء ص ۱۶۱۔

۳۲۔ مالک، کتاب محلہ بالا، جلد اول ص ۱۱۴۔ نعت البیدتہ ہذا۔

۳۳۔ محمد بن الحسن، الموطا، محلہ بالا ص ۲۶۳۔

۳۵۔ مالک، کتاب محلہ بالا، جلد دوم صفحات ۷۲۲ اور ۷۲۵۔

۳۶۔ ابن المقفع، رسالہ فی الصحابہ۔ در رسائل البلاء، قاہرہ، ۱۹۵۴ء، ص ۱۲۶۔ واذ اقبل له:

ای دم سفک علی هذا السنۃ التي تزعمون؟ قال: فعل ذلك عبد الملك بن مروان و امير  
 من بعض اولئک الامراء۔

۳۷۔ ابو یوسف۔ الرد علی سیر الاوزاعی، محلہ بالا ایڈیشن، ص ۱۱۔ قال: واهل الحجاز یقضون بالقضاً  
 فیقال لهم: عن؟ فیقولون: بهذا جرت السنۃ، وعسی أن یکون قضی به عامل  
 السوق او عامل ما من الجهات۔

۳۸۔ ایضاً، ص ۲۳، نیز ملاحظہ ہو۔ ابو یوسف، کتاب الخراج، محلہ بالا ایڈیشن ص ۳۲، الخلفاء الراشدون  
 کی اصطلاح امام شافعی کے استعمال نہیں ہوتی تھی (متوفی ۲۰۴ھ)۔ ملاحظہ ہو:۔ کو اس کے لئے ہے۔  
 A HISTORY OF ISLAMIC LAW (تاریخ فقہ اسلامی) (انگریزی) ایڈیشن ۱۹۶۲ء ص ۲۷۔

۳۹۔ ابو یوسف۔ الرد علی سیر الاوزاعی، محلہ بالا ایڈیشن ص ۷۶۔

۴۰۔ ایضاً، صفحات ۴۱ اور ۴۶۔ جابجا۔ مالک، کتاب محلہ بالا، جلد اول، صفحات ۲۶۸ اور ۲۸۰۔

ابو یوسف، کتاب الخراج، محلہ بالا ایڈیشن، صفحات ۲۳، ۹۹ اور ۱۰۵۔

